RULERS, RELIGION, & RICHES

Why the West Got Rich and the Middle East Did Not

by

Jared Rubin

حکمران، مذہب اور دولت

مغرب کیوں امیر ہوا، مشرق وسطیٰ کیوں نہیں ہوا؟

جیریڈ روبن

ترجمہ: پروفیسر مقبول الٰہی

مشعل

حکمران، مذہب اور دولت
جیریڈ روبن
ترجمہ: پروفیسر مقبول الٰہی
مشعل

اسلامی بنیاد پرستی کا عروج اور پھیلاؤ ممکن طور پر بیسویں صدی کی زندہ رہنے والی کہانیوں میں سے ایک ہوگا۔ اس کو روکنے کا بہترین طریقہ...... بلاشبہ کسی بھی قسم کی انتہا پسندی کو روکنے کا بہترین طریقہ...... معاشی ترقی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ انتہا پسندانہ خیالات، خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیکولر، اُس وقت بہت زیادہ پُرکشش ہوتے ہیں جب ایک بہتر مستقبل کی بہت کم اُمید ہو۔ ایسے خیالات، اور اُن کو بروئے کار لانے والی شدید انتہا پسندانہ تراکیب ایک ایسی دُنیا کی ذیلی پیداوار ہیں جو معاشی طور پر پیچھے رہ گئی ہے...... یہ کتاب ہمیں ایسے معاشی جمود کے ذرائع کو سمجھنے کے لئے ایک قدم قریب تر لے جائے گی، جبکہ یہ اس بات پر بھی کچھ روشنی ڈالے گی کہ، مشرقِ وسطیٰ میں کونسا راستہ ایک طویل مدتی مستقل معاشی ترقی کی طرف لے جائے گا۔

جیریڈ روبن چیپ مین یونیورسٹی، اورنج، کیلی فورنیا میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ سیاسی اور مذہبی اداروں کے باہمی رابطوں اور معاشی ترقی میں ان کے کردار پر ان کے تحقیقی مضامین، دنیا کے موقر جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

مشعل بکس
mashbks@brain.net.pk
Ph: 042-35866859

حکمران، مذہب اور دولت

مغرب کیوں امیر ہوا، مشرق وسطیٰ کیوں نہیں ہوا؟

جیرڈ روبن

ترجمہ: پروفیسر مقبول الٰہی

مشعل بکس

آر-بی 5' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور-54600، پاکستان

حکمران، مذہب اور دولت

حکمران، مذہب اور دولت

مغرب کیوں امیر ہوا، مشرق وسطیٰ کیوں نہیں ہوا؟

جیرڈ روبن

ترجمہ: پروفیسر مقبول الٰہی

کاپی رائٹ اردو © 2018 مشعل بکس

کاپی رائٹ انگلش© جیرڈ روبن 2017

کتاب کا ترجمہ کیمبرج یونیورسٹی پریس کی اجازت سے شائع کیا گیا ہے۔

ناشر: مشعل بکس

آر-بی-5، سیکنڈ فلور،

عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،

لاہور-54600، پاکستان

فون و فیکس: 042-35866859

Email: mashbks@brain.net.pk

http://www.mashalbooks.org

MashalBooks.org

فہرست

پیش لفظ 7

1- تعارف 11

استدلال کے مضمرات اور محدودات 20

ترغیبات کے حوالے سے سوچنا 23

دلیل کا خلاصہ 26

دوسری توضیحات 33

تکمیلی مفروضہ جات 34

متضاد مفروضے 41

اس کتاب کے مخاطب....اور ایک وضاحت 45

حصہ اوّل 47

حکمرانی کی توسیع: معاشی کامیابی اور جمود کا ایک نظریہ 47

2- حکمرانی کی توسیع 49

قوانین اور پالیسیاں کون بناتا ہے اور اُن کی پیروی کیوں کی جاتی ہے؟ 52

کھیل کا نظریہ اور اداروں کا کردار 63

حکمرانوں اور اُن کے توسیعی کارندوں کے درمیان کھیلا جانے والا کھیل 66

طویل المدّتی ادارہ جاتی تبدیلی (اور جمود) 72

قابلِ آزمائش پیش بینیاں 77

3- حکمرانی کی توسیع کی تاریخی بُنیادیں 81

اسلام اور عیسائیت میں (حکمرانی کی) مذہبی جواز بخشی کا اصول 84

ڈھانچے کو استعمال کرنا: مذہبی جوازِ اقتدار وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ 93

محمد ﷺ کے بعد اقتدار کی اسلامی جواز بخشی 96

سقوطِ روم کے بعد عیسائی جواز بخشیِ اقتدار 104

مقدّروں کا پلٹا 117

حصہ دوم

نظریے کا اطلاق: مغرب کیوں امیر ہوا اور مشرقِ وسطیٰ کیوں نہ ہوا.. 121

4- سود لینے پر پابندیاں 123

اسلامی ممانعتِ سود کی تاریخ 128

سُود پر عیسائی پابندیوں کی تاریخ 136

اسلامی اور عیسائی سُود کی پابندیوں میں اختلافات کی توضیح 145

راستے پر منحصر نتائج 151

MashalBooks.org

5- چھاپہ خانے پر پابندیاں 161

یورپ میں ابتدائی چھپائی 165

سلطنتِ عثمانیہ میں طباعت کے ضابطے 172

عثمانیوں نے چھاپہ خانہ کو کیوں روکا؟ 178

چھاپہ خانہ یورپ میں کیوں تیزی سے پھیلا؟ 184

ناقابلِ پیش بینی نتائج 189

6- طباعت اور تحریکِ اصلاحِ کلیسا 191

پروٹسٹنٹ تحریکِ اصلاح کلیسا کا پھیلاؤ 200

چھاپہ خانہ کے پھیلاؤ کا تحریک اصلاحِ کلیسا کے ساتھ تعلق جوڑنا 204

تحریکِ اصلاحِ کلیسا پر چھاپہ خانے کے اثر کو جانچنا 209

معاشی اشرافیہ کی طرف سے توسیع اقتدار: ایک پروٹسٹنٹ مظہر؟ 218

خلاصہ: مختلف ادارہ جاتی راستوں کی توضیح 224

سلطنتِ عثمانیہ میں (انجامِ کار) طباعت کا اُبھار 226

کیا ہوسکتا تھا؟ 235

7- کامیابی: انگلستان اور جمہوریہ ڈچ 237

مابعد تحریکِ اصلاحِ کلیسا کا انگلستان 241

تحریکِ اصلاح کلیسا، ڈچ بغاوت، اور معاشی کامیابی 252

جدید معیشت کے نقیب 265

8- جمود: سپین اور سلطنتِ عُثمانیہ 267

سپین میں طویل مدّتی معاشی جمود 272

سلطنتِ عثمانیہ میں مذہبی جواز بخشیِ اقتدار اور معاشی جمود 289

یہ چیز اہمیت رکھتی ہے کہ اقتدار کو کون توسیع دیتا ہے 311

9- نتیجہ 313

مُمکنہ غلط فہمیاں 322

مغرب کے عروج کے ضمنی مفاہیم 328

اکیسویں صدی اور اُس سے آگے کے لئے مضمرات 331

اختتامی خیالات 339

حواشی 342

حوالہ جات 359

MashalBooks.org

پیش لفظ

میں نے اس کتاب کیلئے تحقیق، سٹینفورڈ یونیورسٹی میں گریجوایشن کے اپنے تیسرے سال 2004ء میں شروع کی۔ اُس وقت جو کہانیاں زبان زدِ عام تھیں، اُن میں ''مغرب'' اور ''اسلامی دُنیا'' کے درمیان کشمکش ایک تھی۔ 9/11 ابھی ہر ذہن میں تازہ تھی اور عراق اور افغانستان میں جنگیں خبروں کی سُرخیوں پر چھائی ہوئی تھیں۔ درمیان کے بارہ سالوں میں اس محاذ پر کوئی زیادہ تبدیلی نہیں آئی۔ اگر کوئی تبدیلی آئی بھی ہے تو صرف یہ کہ کشمکش اور گہری ہوگئی ہے۔ پوری دنیا میں دہشت گردانہ حملے، القاعدہ اور آئی ایس آئی ایس کا پھیلاؤ، اور شامی مہاجرین کا تباہ کُن بحران، سب اسی بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ قابلِ پیشگوئی مستقبل میں مغرب کی تمام سیاسی اور معاشی جنگیں مشرقِ اوسط میں واقع ہوں گی۔

لہٰذا مشرقِ اوسط اور مغرب کے درمیان کشمکش کا ادراک پہلے درجے کی اہمیت رکھتا ہے، یہی اس کتاب کو لکھنے کی بنیادی وجہ ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کشمکش کا بنیادی محرّک ان دو خطوں کے مقدروں کے درمیان وسیع ناہمواری ہے۔ معاشی ناہمواری حقیقی ہے۔ اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں کچھ خلیجی ریاستوں نے قابلِ ذکر تیل کی دولت حاصل کر لی، لیکن آبادی کے بہت قلیل حصے نے اس کا کوئی ثمر دیکھا ہے۔ بہرحال یہ دولت چند روزہ ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے، ان تیل سے مالا مال اقوام میں سے کسی کے بارے میں یہ شہادت نہیں ہے کہ اُنھوں نے بہتر معیشت کی طرح کی کوئی چیز قائم کی ہو، جو اس وقت بھی قائم رہے گی جب دُنیا بطور توانائی کے ایک بنیادی ذریعے کے پیٹرولیم سے کسی اور جانب رجوع کرے گی۔

مغرب اور باقی ماندہ دُنیا کے درمیان اسی معاشی تفاوت نے، اُنیسویں اور بیسویں صدیوں میں شرقِ اوسط پر مغربی تسلط اور سامراجیت کی راہ ہموار کی۔ اسی معاشی تفاوت نے، بیسویں صدی کے زیادہ تر حصے میں اُن آمرانہ حکمرانوں کو شرقِ اوسط کی سیاست پر غلبے کو ممکن بنایا، جنہیں مغرب کی حمایت حاصل تھی......ان نتائج کی بہت گہری تاریخی جڑیں ہیں، اور اس کتاب کا ہدف یہ ہے کہ ان جڑوں کو دریافت اور اُن کا تجزیہ کرے۔ اس میں پیش کئے گئے دلائل تقابلی ہیں۔ اگر مشرقِ وسطیٰ میں کچھ غلط ہوا، تو اس کے اسباب کو سمجھنا آسان تر ہے اگر اُس کا تقابل اُس سے کیا جائے جو مغربی یورپ کے بعض حصوں میں صحیح ہوا۔ لہٰذا اس کتاب کا ہدف دوہُرا ہے۔ ایک طرف یہ دیرپا معاشی کامیابی کے بعض لازمی تعین کاروں کی بصیرت مہیا کرتی ہے۔ دوسری طرف یہ واضح کرتی ہے کہ اگر یہ تعین کار غیر موجود ہوں تو کوئی معیشت کب اور کیسے جمود کا شکار ہو جاتی ہے۔

اگر گہرے طور پر غور و فکر کیا جائے، تو مغرب اور مشرقِ وسطیٰ کی معاشی خوشحالی کے درمیان یہ وسیع فرق اس قدر واضح نہیں ہے۔ اس فرق کا کوئی بھی بیان اس چیز کی بھی توجیہہ کرے گا کہ صورتِ حال ہمیشہ ایسی نہیں رہی۔ اسلام کے قائم ہونے کے بعد صدیوں تک مشرقِ وسطیٰ کسی بھی پیمانے سے مغرب سے حقیقتاً آگے رہا ہے۔ معاشیات، سیاسیات ثقافت اور سائنس کے پیمانے سے۔ قرونِ وسطیٰ کے جوبن کے دور سے، زرخیز ہلال مغربی یوریشیا کا ثقافتی اور معاشی مرکز تھا۔

کسی نہ کسی نقطے پر یہ سب کچھ واضح طور پر تبدیل ہوگیا۔ میرے علم کے مطابق کسی دانشور نے یہ استدلال نہیں کیا کہ اٹھارویں صدی کے وسط میں صنعت کاری کے وقت مشرقِ وسطیٰ کسی سرکردہ یورپی معیشت کے قریب بھی تھا۔ صنعت کاری کے بعد وہ واضح معاشی اختلافات جو پہلے سے موجود تھے کئی گُنا مزید شدید ہوگئے۔ لہٰذا اب حقیقی سوالات یہ ہیں:

وہ خطہ جو اس قدر طویل عرصے تک اس قدر آگے تھا۔ آخرِ کار پیچھے کیوں رہ گیا؟ صنعتی انقلاب برطانیہ میں کیوں شروع ہوا بجائے مثال کے طور پر سلطنتِ عثمانیہ کے؟

یہ کتاب ان سوالات کے جوابات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتی ہے......ایسا کرتے ہوئے یہ اس بھاری بھرکم مسئلے سے بھی نپٹتی ہے جس کو مغربی ذرائع ابلاغ اور دانشوروں کے اظہاریوں کی طرف سے مشرقِ وسطیٰ کے مسائل کی ایک توجیہہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی اسلام۔ میرا

MashalBooks.org

مانتا ہے کہ ایسے دعوے مضحکہ خیز ہیں۔ لیکن اُنہیں بغیر کسی قائل کُن توجیہہ مہیا کرنے کے محض یونہی ردّ نہیں کیا جاسکتا...... میں ایسی توجیہہ پیشِ کرر ہا ہوں، اگرچہ یہ بات قاری پر ہے کہ آیا وہ اسے قائل کُن سمجھتا ہے یا نہیں۔ میری توجیہہ کی بنیاد گہرے طور پر معاشی نظریے پر ہے اور یہ اُن تمام عوامل کو مدِنظر رکھتی ہے جنہوں نے اس تبدیلی میں کوئی کردار ادا کیا۔ مجھے اُمید ہے کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قاری اُس کردار کا ایک گہرا ادراک حاصل کر پائے گا، جو اسلام نے مشرق وسطیٰ کے معاشی جمود اور مغرب کے ساتھ کشمکش میں ادا کیا۔

یہ استدلال ایک مرکزی نقطے کے بارے میں اُمید افزا طور پر واضح ہے: بذات خود اسلام مسئلہ نہیں ہے۔ تاہم جہاں مذہب سیاست میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہو، وہاں معاشی کامیابی کا امکان کم ہوتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب بھی عمومی طور پر مذہب کو موردِ الزام ٹھہرانا نہیں ہے۔ کوئی بھی مفاداتی گروہ جسے سیاست کی سودا بازی کی میز پر طاقتور نشست حاصل ہو، لیکن اُس کے مفادات معاشی ترقی کے ساتھ لگا نہ کھاتے ہوں، وہ کسی بھی معاشرے کی معاشی ترقی میں منفی کردار ادا کرے گا۔ تاریخی اعتبار سے، ایسے اسباب کی بنا پر جو اس کتاب میں واضح کئے گئے ہیں، مشرق وسطیٰ اور مغربی یورپ، دونوں میں مذہبی مقتدرہ کو سیاسی بساط پر بہت زیادہ تسلط حاصل تھا۔ لہٰذا دونوں خطوں کے درمیان طویل مدتی معاشی فرق کو سمجھنے کیلئے، اُس عمل کو سمجھنے کی غایت ضرورت ہے جس کے ذریعے اس مقتدرہ کو آخرالذکر میں تو ختم کر دیا گیا لیکن اوآل الذکر میں ختم نہیں کیا جاسکا۔

یہ کتاب مشرقِ وسطی اور مغرب کے درمیان معاشی عدم مساوات کو ختم کرنے کے لیے کوئی حل پیش نہیں کرتی۔ یہ محض مسئلے اور اس کے اسباب کی تشخیص کرتی ہے۔ لیکن جیسا کہ ایک ڈاکٹر کو علاج تجویز کرنے سے پہلے صحیح تشخیص چاہیے، اسی طرح۔ اگر ہم اُن سیاسی اور معاشی اقدامات کو سمجھنا چاہتے ہیں جو اس فرق کو ختم کرنے میں مدد دیں تو اس فرق کی صحیح تشخیص بہت اہم ہے۔ اس کتاب کی طرف سے مہیا کردہ تشخیص اسلام کے کسی سادگی پسند تصور پر مبنی نہیں ہے، اور یہ کتاب غیر معیاری معاشی کارکردگی کیلئے اسلام کو کسی بھی اور مذہب کی نسبت زیادہ موردِ الزام قرار نہیں دیتی...... یہ، یہ تجویز پیش کرتی ہے کہ مشرق وسطی کیلئے مذہب کو سیاست سے خارج کر دینا ایک انتہائی اہم اور ضروری اقدام ہوگا، لیکن یہ بھی ایک مکمل حل نہیں ہے۔

مشرقِ وسطیٰ میں فوری نتیجے کی توقع کرنا بے سود ہے مذہب کو سیاست سے (زیادہ سے زیادہ) خارج کرنے کیلئے مغرب کو صدیاں لگیں۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ تناظر ایک اہمیت رکھتا ہے اور دونوں خطوں کے معاشی اور سیاسی تناظرات بہت مختلف ہیں۔ ایک اہم فرق جس پر اس کتاب میں توجہ دی گئی ہے یہ ہے کہ اسلام موروثی سیاسی اقتدار کو جواز بخشنے میں عیسائیت سے زیادہ ساز گار ہے جو کہ ایک ایسی حقیقت ہے جو اُن تبدیلیوں کو یقیناً متاثر کرتی ہے جو مشرق وسطیٰ میں ممکن ہیں۔ لیکن اگر مذہب کو سیاست سے خارج بھی کر دیا جائے تو یہ صرف ایک پہلا قدم ہوگا۔ یہ بات بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ سودا بازی کی بساط پر مذہبی اشرافیہ کی جگہ کون لیتا ہے۔ مثلاً اگر مذہبی اشرافیہ کی جگہ آمر لے لیتے ہیں تو یہ معاشی اور ذاتی بہبود کیلئے یقیناً بدتر صورتِ حال ہوگی۔

اسلامی بنیادی پرستی کا عروج اور پھیلاؤ ممکن طور پر بیسویں صدی کی زندہ رہنے والی کہانیوں میں سے ایک ہوگا۔ اس کو روکنے کا بہترین طریقہ...... بلاشبہ کسی بھی قسم کی انتہا پسندی کو روکنے کا بہترین طریقہ...... معاشی ترقی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ انتہا پسندانہ خیالات، خواہ وہ مذہبی ہوں یا سیکولر، اُس وقت بہت زیادہ پُرکشش ہوتے ہیں جب ایک بہتر مستقبل کی بہت کم اُمید ہو۔ ایسے خیالات، اور اُن کو بروئے کار لانے والی شدید انتہا پسندانہ تراکیب ایک ایسی دُنیا کی ذیلی پیداوار ہیں جو معاشی طور پر پیچھے رہ گئی ہے...... میری مخلصانہ اُمید یہ ہے کہ یہ کتاب ہمیں ایسے معاشی جمود کے ذرائع کو سمجھنے کے ایک قدم قریب تر لے جائے گی، جبکہ یہ اس بات پر بھی کچھ روشنی ڈالے گی کہ، مشرقِ وسطیٰ میں کونسا راستہ ایک طویل مدتی مستقل معاشی ترقی کی طرف لے جائے گا۔

MashalBooks.org

(1)

تعارف

تقریباً کسی بھی دستیاب پیمانے کے مطابق، مشرقِ وسطیٰ اور مغرب کی معاشی اور سیاسی خوشحالیوں کے درمیان ایک وسیع فرق ہے۔ تیل کی دولت کو مدِنظر رکھنے کے باوجود، جس سے کہ مشرقِ وسطیٰ کے باسیوں کا ایک بہت قلیل حصہ فائدہ اُٹھاتا ہے، مغرب کے باشندے مشرقِ وسطیٰ کے باشندوں کی نسبت چھ گنا زیادہ دولت مند ہیں۔ وہ اوسط آٹھ مزید سال زندہ رہنے کی توقع کر سکتے ہیں اور تقریباً دوگنی تعلیم سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔"دیکھئے جدول 1.1)۔ مشرقِ وسطیٰ کی معاشی پسماندگی کی ایک وجہ اور نتیجہ...... کمزور حکمرانی اور تشدد ہے۔ ایک اوسط مشرقِ وسطیٰ کا باشندہ، ایک اوسط مغربی باشندے کی نسبت زیادہ کمزور اور آمرانہ ریاست میں رہتا ہے اور شہری اور نسلی تشدد کا کہیں زیادہ شکار ہوتا ہے۔ یہ بلاشبہ مشرقِ وسطیٰ اور باقی ماندہ دُنیا کے درمیان سیاسی تناؤ کی بنیادی وجہ ہے۔ اور یہ اسلام پسندوں کی طرف سے اپنائی گئی سیاسی اور معاشی شکایات کی بنیاد ہے۔

جدول1.1: معاشی اور سیاسی صحت ''مغرب'' اور مشرقِ وسطیٰ / شمالی افریقہ (MENA)

2012-2014 (آبادی کے حساب سے پیمائش کی گئی)

o	''مغرب''	MENA	توضیح واشارات
فی کس جی ڈی پی			
(مجموعی قومی پیداوار)	48,269ڈالر	8,009ڈالر	2013 میں امریکی ڈالر
امکانِ حیات	80.4	72.6	2013 میں پیدائش کے وقت امکان حیات
تعلیم کے اوسط سال	12.1	6.8	2012 کے اعداد وشمار
ریاستی کمزوری	1.42	11.11	0-25(25 سب سے کمزور ہے)
شہری یا نسلی تشدد/جنگ	0.00	1.03	0-10(10سب سے زیادہ پُرتشدد ہے)
شخصی مطلق العنانی	0.00	3.58	0-10(10سب سے زیادہ آمرانہ ہے)

ذرائع

مجموعی قومی پیداوار ......ورلڈ بینک (2014) تعلیم۔ یواین ڈویلپمنٹ پروگرام (2014): آبادی......سی آئی اے ورلڈ فیکٹ بُک (2014)؛ تمام اعداد وشمار کی پیمائش 2014 کی آبادی کے مطابق کی گئی؛ مجموعی قومی پیداوار اور کمزوری 2013 میں ہیں؛ تشدد اور مطلق العنانی 2014 میں ہیں۔

مغربی یورپ میں شامل ہیں: آسٹریلیا، آسٹریا، بلجیم، کینیڈا، ڈنمارک، فن لینڈ، فرانس، جرمنی، آئرلینڈ، لکسمبرگ، نیدرلینڈز، نیوزی لینڈ، پُرتگال سپین، سویڈن، سوئٹزرلینڈ، برطانیہ اور امریکہ۔

MENA میں شامل ہیں:

الجیریا، بحرین، مصر، ایران، عراق، اُردون، کویت، لبنان، لیبیا، مراکش، عمان، قطر، سعودی عرب، شام، تیونس، یواے ای۔ مغربی کنارہ اور غزہ، اور یمن۔

مغرب اور مشرقِ وسطیٰ کے درمیان

بلاشبہ، مغرب اور باقی ماندہ دُنیا کے درمیان یہ فرق نسبتاً ایک تازہ مظہر ہے۔ ماقبل صنعتی دور میں، مغربی یورپ واضح طور پر باقی ماندہ دُنیا سے آگے نہیں تھا، اور یہ مشرقِ وسطیٰ سے اس قدر زیادہ

MashalBooks.org

آگے نہیں تھا کہ سلطنت عثمانیہ (سر کردہ مشرقِ وسطیٰ کی ریاست) معاشی یا سیاسی طور پر اپنے آپ کو کمتر سمجھتی۔ وقت کے ساتھ ساتھ، ایک وسیع معاشی، سیاسی، عسکری، اور تکنیکی فرق دونوں میں نمایاں ہوتا گیا۔ اس فرق نے یورپیوں کیلئے باقی ماندہ دُنیا پر معاشی اور سیاسی طور پر غلبہ حاصل کرنے کی گنجائش پیدا کی، جو کہ ایک ایسی حقیقت ہے جو دُنیا کے بیشتر آباد حصے کو اُن کی طرف سے نوآبادیات بنانے کی حقیقت سے واضح ہے۔ اسی دوران، اُنیسویں صدی کے آتے آتے، سلطنت عثمانیہ کو ''یورپ کا مردِ بیمار'' سمجھا جانے لگا...... جو کبھی ایک عظیم سلطنت تھی جو اپنے آخری پیروں پر تھی۔ سر کردہ مغربی طاقتوں نے آخر کار مشرقِ وسطیٰ کو ایسی ریاستوں کی شکل میں تراش لیا، جن کی ایسی مصنوعی سرحدیں تھیں جو یورپ کی جغرافیائی سیاسی ضروریات سے مطابقت رکھتی تھیں۔

یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کی معیشت مغرب کی معیشت سے بہت واضح طور پر مختلف ہوگئی۔ لیکن اس اختلاف کی وجہ کیا ہوئی؟ یہ فرق اس کی نسبت بہت زیادہ پریشان کُن ہے، جتنا یہ اکیسویں صدی کے تناظر سے محسوس ہوگا۔ پچھلی ایک یا دو ہزاریوں کے زیادہ تر عرصے سے مغربیوں کے مشرقِ وسطیٰ کے لوگوں سے رابطے باقی ماندہ دُنیا کی نسبت زیادہ تھے۔ مغربی یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کے درمیان بین الثقافتی تفہیم اُس سے زیادہ کثرت سے واقع ہوئی جتنی مغربی یورپ اور باقی ماندہ دُنیا کے درمیان ہوتی۔ ان دونوں خطوں کے درمیان مشابہتیں اور نسبتاً یکجائی مغرب کی مقابلتہً کامیابی کو اور بھی زیادہ پُراسرار بنا دیتی ہیں۔ کس چیز نے مغرب کی معیشتوں کو کامیاب کرنے اور مشرقِ وسطیٰ کی معیشتوں کو منجمد رکھنے کی راہ پیدا کی؟

یہ ہے وہ سوال جس سے اس کتاب میں نمٹا گیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب اس بارے میں ہے کہ کیوں کچھ معیشتیں کامیاب ہوتی ہیں اور دوسری منجمد ہو جاتی ہیں۔ اس سوال سے احتراز کرنا ناممکن ہے۔ خواہ یہ کچھ لوگوں کی ناراضگی کا سبب بھی ہو: کسی مفروضے کو اس وجہ سے مسترد کرنا کہ وہ ناگوار ہے، ایک بُری سائنس ہے۔ اور اس امکان کو ہی ردّ نہ کرنے کی ایک وجہ ہے۔ اسلامی تاریخ کے مشہور عالم برنارڈ لیوس، اپنی زندگی کے آخری حصے میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ (2) اور اسلامی فلسفے اور عمل کے ساتھ بُرے نتائج کو منسوب کرنے کی ایک طویل مستشرقانہ روایت ہے۔ یہ مغربی ذرائع ابلاغ کا ایک عام طنز بھی ہے، جہاں اسلام اور ''خراب'' سیاسی، سماجی اور معاشی واقعات کے درمیان سہل پسندانہ تعلق

جوڑنا بہت عام ہے۔ اگرچہ ذرائع ابلاغ میں آنے والی زیادہ تر کہانیوں کو محض تھوڑے سے گہرے جائزے پر اُڑا دینا آسان ہے۔ لیکن مستشرقین کے زیادہ ذہین انداز سے قائم کئے گئے دلائل کو اُڑانا اتنا آسان نہیں ہے۔ لیوس اور دوسرے لوگ مشرقِ وسطیٰ اور اسلامی تاریخ کے بارے میں بہت کچھ جانتے تھے۔ اور بلاشبہ اسلام تجارت اور حکمرانی سے متعلق اپنے اندر متعدد مناسب ضابطے رکھتا ہے۔

پس۔ اسلام موردِ الزام کیوں نہیں ہے؟ اس کا جواب سادہ سا ہے: خواہ کوئی شخص اس تصوّر کو قبول بھی کر لے کہ مذہبی اصول معاشی کارکردگی کیلئے اہم ہیں، تو بھی حقائق اس کیلئے بالکل مرتب نہیں ہوتے۔ صنعت سازی سے قبل کی ہزاری میں ان خطوں کی تواریخ اس تصور سے مطابقت نہیں رکھتیں کہ اسلام معاشی ترقی کے مخالف ہے۔ اس بارے میں کسی بھی نظریے میں کہ، جدید معیشت مشرقِ وسطیٰ کی بجائے مغربی یورپ میں کیوں پیدا ہوئی، مدِنظر رکھنے کی اہم حقیقت یہ ہے کہ، اسلام کے فروغ کے بعد صدیوں تک مشرقِ وسطیٰ، معاشی، ٹیکنولوجیاتی، اور ثقافتی اعتبار سے، یورپ سے آگے تھا۔ ساتویں صدی سے لے کر بارھویں صدی تک، اسلامی سلطنتیں مغربی یوریشیا پر چھائی ہوئی تھیں۔ اسلام اپنی پہلی چار یا پانچ صدیوں میں مثبت معاشی ترقی کے ساتھ منسلک تھا۔

معیشتوں کے اندر اور بین المعیشتی طور پر، آٹھ سے دس صدیاں پہلے، دولت کی عالمی تقسیم، اکیسویں صدی کی نسبت بہت مختلف تھی۔ مغربی یورپ نسبتاً ایک غریب علاقہ تھا...... قانون کی حکمرانی صرف چھوٹے، آباد علاقوں میں تھی۔ چھوٹے پیمانے کی بین العلاقائی تجارت موجود تھی۔ آبادیاں چھوٹی چھوٹی اور بکھری ہوئی تھیں، اور سائنس اور ٹیکنالوجی دوسرے علاقوں سے بہت پیچھے تھی۔ تقریباً کسی بھی دستیاب پیمانے کے مطابق مشرقِ وسطیٰ یورپ سے آگے تھا۔ اس کی رسائی بہت ترقی یافتہ ٹیکنالوجی تک تھی۔ اس کی تجارت بہت بڑی مقداروں میں اور طویل تر فاصلوں تک جاری تھی۔ اور ان کے ہاں زیادہ پیچیدہ آلات استعمال کئے جاتے تھے۔ اس بیان کی تائید میں بہت زیادہ شہادت موجود ہے۔ ریاضی۔ طب، فلسفہ فن، اور فنِ تعمیر میں بڑی بڑی پیش رفتیں، تیرھویں صدی میں اسلامی دُنیا کا طُرّۂ امتیاز تھیں۔ جوں جوں ہم پیچھے کی طرف سفر کرتے ہیں۔ اعداد و شمار یقیناً بہت کم ہیں، لیکن قبل جدید صورتِ حال میں دولت وہ ایک اشاریہ

MashalBooks.org

جس کے اعداد وشمار ہمارے پاس ہیں وہ شہری آبادی کا حجم ہے۔شہری آبادی قبل جدید معاشی کارکردگی کے ایک پیمانے کے طور پر کام کرتی ہے، کیونکہ بڑی بڑی شہری آبادیوں کا مطلب ہے کہ، ایسے لوگوں کیلئے جو اپنے گزارے کیلئے کچھ پیدا نہیں کررہے تھے، خوراک مہیا کرنے کیلئے کافی کچھ موجود تھا۔اور شہری لوگ عام طور پر آسائشاتِ زندگی پیدا اور استعمال کررہے تھے۔مختصراً بڑی شہری آبادیوں کا مطلب عمومی طور پر زیادہ دولت تھا۔(3)

شہری آبادی کے اعداد وشمار مشتبہ رُجحان کی تائید کرتے ہیں۔پچھلے 1,200 سالوں میں مغربی یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کے درمیان معاشی مقدروں کی ایک سُست لیکن واضح پلٹے کو ظاہر کرتے ہوئے۔شکل ا.ا یہ ظاہر کرتی ہے کہ 800 میں اسلامی دُنیا کا شہری آبادی کا تناسب عیسائی یورپ کی نسبت بہت زیادہ تھا۔(4) یورپ اور مشرق وسطیٰ میں بائیس سب سے بڑے شہروں میں سے چودہ......بشمول سب سے بڑے شہر۔عباسی دارالحکومت بغداد کے......اسلامی حکومت کے ماتحت تھے۔جدید دور کے سپین میں اُموی خلافت (قرطبہ) اور جدید عراق میں مرتکز، عباسی خلافت، گنجان آبادترین اور امیرترین علاقوں پر حکومت کرتی تھیں......آٹھ گنجان آبادترین شہروں میں سے سات پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔جبکہ صرف ایک شہر بازنطینی دارالحکومت قسطنطنیہ ایسا تھا جس میں عیسائیوں کی ایک بڑی شہری آبادی تھی۔درحقیقت عیسائی مغربی اور وسطی یورپ کے سب سے اوپر کے تیرہ شہروں (نیپلز، روم، ویرونا، ریجنز برگ، مٹز، پرس، سپئیر، میز، ریمز، ٹورز، کولون، ٹرائیر لو لیون) کی مشترکہ آبادی، 800 میں بغداد کی آبادی سے کم تھی۔

شکل 1.1: CE 800 میں یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کے بیس گنجان آبادترین شہر۔

ذریعہ: بوسکرائے آل (2013)

تیزی سے پانچ سو سال آگے گزر جائیے۔1300 تک گزشتہ پیروں میں بیان کیا گیا منظر بلاشبہ تبدیل ہوا، لیکن پھر بھی منگولوں کی طرف سے کچھ شہری آبادیوں کی چھٹائی کے باوجود مشرقِ وسطیٰ پسماندہ ہونے سے بہت دور تھا۔1300 تک مغربی یورپ کی معیشتیں دوبارہ ترقی کررہی تھیں۔رُومی معاشی انحطاط کے بعد، خاص طور پر شمالی اٹلی میں۔اور مغربی یورپ کے بہت سے حصے ٹھیک ٹھاک اپنی بحالی کی راہ پر تھے۔شکل 1.2 یہ ظاہر کرتی ہے کہ عیسائی اور مسلم دُنیاؤں کے درمیان طاقت کا توازن بہت مساوی تھا، اس طرح کہ اوپر کے بارہ شہروں پر عیسائیوں کی حکومت تھی (بشمول سب سے زیادہ گنجان آباد شہر پیرس کے)۔یورپی ترقی کا مرکز اٹلی میں واقع تھا ......بارہ عیسائی شہروں میں سے چھ اٹلی میں تھے۔جن میں چار امیر شمالی علاقے میں واقع تھے۔شمالی اٹلی کی شہری ریاستیں، خاص طور پر وینس، جینوا اور فلورنس، دُنیا کے امیر ترین مقامات میں سے تھے جو جدید بینکنگ، مالیات، شماریات اور تجارت کے بہت سے پہلوؤں کو جنم دے رہے تھے۔شمال مغربی یورپ اوائل چودھویں صدی میں مسلم خطے کی امیر ترین ریاست (مصر) سے قدرے زیادہ دولت مند تھا، جبکہ اٹلی مغربی یورپ کے کسی بھی حصے کی نسبت، چہ جائیکہ مشرقِ وسطیٰ، تقریباً دوسو گنا دولت مند تھا۔(5)

شکل 1.2: CE 1300 میں یورپ اور مشرق وسطیٰ کے بیس گنجان آبادترین شہر۔

ذریعہ: بوسکرائے آل (2013)

1800 تک مقدّروں کا یہ پلٹا مکمل ہوگیا۔ علاقے میں بیس گنجان آبادترین شہروں میں

سے سترہ نہ صرف عیسائی تھے، بلکہ مغربی یا وسطیٰ یورپ میں واقع تھے۔ برطانیہ عظمیٰ میں صنعتی انقلاب کا آغاز ہو چکا تھا، اور یورپی طاقتوں نے باقی ماندہ دُنیا کے بہت سے حصے کو نوآبادیاں بنالیا تھا۔ حقیقی معاوضہ جات شمال مغربی یورپ میں مسلم دُنیا کے امیر ترین حصوں کی نسبت بھی بہت زیادہ تھے۔(6) یہ فرق صرف کلی طور پر شمالی مغربی یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کے درمیان نہیں تھا۔ اس وقت تک حقیقی معاوضہ جات شمالی مغربی یورپ اور چین، جاپان اور ہندوستان کے درمیان بھی حیرت انگیز طور پر مختلف تھے۔(7)

شکل نمبر 1.3: یورپ اور مشرقِ وسطیٰ میں بیس گنجان آباد ترین شہر 1800 عیسوی

شکل 1.4 معاشی مقدروں میں اس رُجحان کا خلاصہ پیش کرتی ہے۔ یہ شکل 800 سے 1800 تک ہر صدی کیلئے مغربی یوریشیا کے ''شہری مرکزِ ثقل'' کو پیش کرتی ہے۔ یہ اُن علاقوں کے مطابق پیائش کے لحاظ سے جہاں شہری لوگ رہتے تھے۔ اوسط طول بلد اور عرض بلد کا ایک سادہ پیمانہ ہے۔ زیادہ گنجائش آباد علاقے مرکزِ ثقل کو اپنے قریب تر ''کھینچتے تھے۔'' اس شکل میں راستہ واضح ہے۔ 800 میں مغربی یوریشیا کا شہری مرکز اناطولیائی جزیرہ نما کے عین مغرب میں تھا۔ اسے عباسی خلافت کی طرف سے جس کا مرکز عراق میں تھا۔ جنوب مشرق کی طرف سے سخت کشش کا سامنا تھا۔ جبکہ اسے مصر کے پُر رونق شہری علاقوں کی طرف سے جنوب کی طرف کھینچا جا رہا تھا۔ اس بات کی بنیادی وجہ کہ یہ مرکز عباسی دارالخلافہ سے اس قدر دور مغرب میں تھا، یہ تھی کہ جزیرہ نما آئبیریا میں مسلمانوں کی بڑی شہری آبادیاں موجود تھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ، شہری مرکز شمال مغرب کی طرف منتقل ہو گیا؛ پہلے اٹلی کی طرف جیسا کہ دسویں صدی کے آواخر میں شمالی

اطالیائی شہری ریاستیں وسیع ہونا شروع ہوئیں اور آخرِ کار سولھویں تا اٹھارویں صدی شمال مغربی یورپ کی طرف جیسا کہ باقی ماندہ خطے کی مناسبت سے انگلستان اور ڈچ ریپبلک بھی اُبھرنے لگیں۔ 1800 تک مغربی یوریشیا کا شہری مرکز شمال مغربی اٹلی میں، میلان کے نزدیک واقع تھا ...... جو کہ قدیم عباسی دارالخلافہ بغداد سے تقریباً دو ہزار میل دور تھا، لیکن شمال مغربی یورپ کے دو عظیم تجارتی شہروں، لندن ایمسٹرڈیم سے صرف 500...... 600 میل کے فاصلے پر تھا

شکل 1.4: یورپ اور مشرقِ وسطیٰ میں مرکزِ ثقل 1800......800

نوٹ

شکل 1.1 سے 1.4 تک کے نقشے محض مثل پیش کرنے کے مقاصد کیلئے ہیں۔ یورپ اس نقشے میں اپنی روایتی مثل کی نسبت درے جھکا ہوا ہے تا کہ پورے خطے کو جگہ دی جا سکے۔

ذریعہ: بوسکر اے آل (2013)

آخرکار، مقدروں کے پلٹنے کی کسی بھی توجیہہ کو دو تاریخی پہلوؤں سے مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ اوّل اسے عظیم مسلم سلطنتوں کے عروج اور ساتھ ہی ساتھ اُن کے مقابلۃً جمود دونوں کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ دوم، اگرچہ اشکال 1.1 تا 1.4 سے یہ واضح نہیں ہے، لیکن جدید معیشت بڑی حد تک شمال مغربی یورپ کی پیداوار ہے......یعنی انگلستان کی اور اُس سے پہلے نیوز لینڈز کی۔ لہٰذا اس بات کی تفہیم کہ جدید دولت کہاں سے آئی، لازماً مغربی یورپ کے اندر طویل مدتی افتراق کی توجیہہ کرے گی۔

MashalBooks.org

اس کتاب کا مقصد ان دونوں موضوعات سے ایک متوازن ڈھانچے میں نمٹنا ہے۔ یہ ڈھانچہ ان سادگی پسندانہ نظریات سے صرف نظر کرتا ہے کہ اس تبدیلی کی بنیاد میں اسلام ہے یا اس کے برعکس، کیتھولسزم یا پروٹسٹنزم یورپی کامیابی کے اسباب ہیں۔ ہاں البتہ یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ یہ بات اہم ہے کہ سیاسی اہل اقتدار نے کس طرح مذہب کو اپنے اقتدار کو جواز بخشنے کیلئے استعمال کیا اور مذہب سے موروثی اقتدار اور اُس سے معاشی نتائج کی ٹھیک ٹھیک تصویر کشی کا دارومدار تاریخی عوامل پر ہے۔

استدلال کے مضمرات اور محدودات

جیسا کہ تیمور کُران (Timur Kuran) نے اسے نام دیا ہے۔ اس ''طویل افتراق'' کے نتائج اس اکیسویں صدی میں بھی ہمارے ساتھ موجود ہیں...... اگر تیل کی دولت کا دھماکہ نہ ہوتا، تو مشرقِ وسطیٰ کرّہ ارض کے غریب ترین مقامات میں سے ہوتا، جس کا مقابلہ صرف زیریں صحارائی افریقہ اور جنوب مشرقی ایشیا کے بعض حصے کرتے۔ اس بات کی تحقیق کا جواز پیدا کرنے کیلئے تاریخی تجسس پسندی ہی کافی ہے کہ یہ علاقہ ...... جو کبھی دُنیا کا امیر ترین اور متمدن ترین خطہ تھا۔ کیسے پیچھے چلا گیا۔

لیکن تاریخی تجسس ہمیشہ کافی نہیں ہوتا۔ مؤرخین اور دوسرے دانش ورانہ ذہن کے افراد، تاریخی رشتوں کو بے نقاب کرنے کو فی ذاتہہ ایک مقصد سمجھتے ہیں، لیکن دوسرے لوگ اس قسم کی تاریخی تحقیق کو صرف اُس وقت قابلِ قدر سمجھتے ہیں جب یہ ہم عصر مسائل پر روشنی ڈالے۔ یہ کتاب ایسے قاری کی تسکین کا موجب ہوگی۔ یہ سب سے پہلے اور سب سے اہم ایک معاشیات کی کتاب ہے۔ یہ ایک ایسی معیشت کے عمومی خدوخال کی تحقیقات کرنے کیلئے، ایک معاشی نظریے کا استعمال کرتی ہے جو کچھ حالات کے تحت پھلتی پھولتی ہے اور کچھ دوسرے حالات کے تحت جامد ہو جاتی ہے۔ یہ مشرقِ وسطیٰ اور مغربی یورپ کی تاریخ کو اس نظریے کیلئے ایک آزمائشی میدان کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ تاریخِ معاشی مفروضوں کیلئے بہترین آزمائشی میدان مہیا کرتی ہے: کیا کچھ واقع ہوا، یہ ہمارے پیچھے ہے۔، اور اس کے دور اس نتائج واضح ہیں۔ یہ بات یقیناً مغربی یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کے درمیان طویل المدتی افتراق کے بارے میں صحیح ہے۔ معیشتوں کا ایک سیٹ آغاز میں خاصا پیچھے ہونے کے باوجود،

MashalBooks.org

طویل عرصے میں واضح طور پر بہت زیادہ کامیاب ہوا۔

یہ کتاب اس مسئلے سے ایک عام معاشی استدلال سے نمٹتی ہے۔ جب ماہرینِ معیشت یہ کہتے ہیں کہ کوئی ادراک ''عمومی'' ہے، تو ان کا مطلب ہوتا ہے کہ یہ بہت سی صورت ہائے حال پر لاگو ہوتا ہے، اور یہ کہ یہ ادراک مختلف مستعمل پیمانوں پر انحصار کرتے ہوئے مختلف نتائج دے سکتا ہے۔ اس کتاب کا ہدف ایک عمومی ادراک مہیا کرتا ہے، اس بارے میں کہ معاشی خوشحالی اور جمود بڑے طویل عرصوں پر محیط کیوں اور کیسے واقع ہوتے ہیں۔ یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ یہ صرف مشرقِ وسطیٰ اور مغربی یورپ کیلئے ہی فکرمندی کا موضوع نہیں ہے: اسی کتاب میں پیش کئے گئے دلائل مضمرات انسانی مصائب کو کم کرنے کے اُس مُشکل عمل کیلئے ہیں، جس کا تعلق پوری دنیا میں معاشی پسماندگی سے ہے۔ بہرحال، مغربی یورپ بھی کسی وقت معاشی طور پر ایک پسماندہ خطہ تھا۔ اور قرونِ وسطیٰ کے یورپیوں کی اوسط دولت آج کل کے دُنیا کے بہت سے غریب ترین حصوں سے بھی کم تر تھی۔ اگر ان میکانیوں کو سمجھ لیا جائے جن کے ذریعے مغربی یورپ نے ایسی غربت سے نجات حاصل کی۔ اور مشرقِ وسطیٰ بڑی حد تک حاصل نہ کر سکا، تو اس میں اکیسویں صدی کی ترقی پذیر دُنیا کی معاشی ترقی اور، اُس کے امکانات اور محدودات کیلئے مفاہیم پوشیدہ ہیں۔

لہٰذا مغربی یورپ اور باقی ماندہ دُنیا کے درمیان طویل مدتی افتراق کی تاریخ کو سمجھنا محض تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ہی اہم نہیں ہے، بلکہ اس لئے بھی کہ اس میں اس بارے میں بھی ایک پیغام ہے کہ ہم دُنیا کو کس طرح سے دیکھتے ہیں اور اسے کس طرح تبدیل کر سکتے ہیں۔ باب دوم میں پیش کئے گئے معاشی ڈھانچے کو استعمال کرتے ہوئے یہ کتاب تاریخی ماضی کا کھوج لگاتی ہے، یہ معلوم کرنے کیلئے کہ وہ کیا عوامل تھے جنہوں نے مغربی یورپ میں کام کیا لیکن مشرقِ وسطیٰ میں کام نہ کیا...... لیکن اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ مغربی یورپ کے معاشی پودے کو اکھاڑ کر مشرقِ وسطیٰ میں لگا دینے سے اس کے سارے معاشی مسائل حل ہو جائیں گے۔ بلکہ بالکل اس کا اُلٹ سچ ہے: وہ حل جنہوں نے مغربی یورپ میں کام کیا وہ ایک مخصوص تناظر میں اُبھرے اور ارتقا پذیر ہوئے۔ اس بات کی حدود متعین کرنے کیلئے کہ گزشتہ تجربہ کس طرح حال کو روشنی بخش سکتا ہے، اس تناظر کو سمجھنا لازم ہے۔

نہ ہی یہ کتاب اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مشرقِ وسطیٰ اپنے مقدر کو تبدیل کرنے سے قاصر ہے۔ درحقیقت اس کتاب کے ڈھانچے سے حاصل کیا جانے والا پہلا ادراک یہ ہے کہ کسی بھی معاشرے کی معاشی، سیاسی اور ادارہ جاتی ترقی کے راستے کے ساتھ بہت سے دوراہے ہوتے ہیں۔ جب کوئی معاشرہ کسی دوراہے میں کوئی ایک راستہ اپناتا ہے، تو وقت کے ساتھ ساتھ دوسری طرف کو واپس جانا زیادہ سے زیادہ مشکل ہوتا جاتا ہے۔ لیکن ہر وقت نئے دوراہے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اکثر اوقات ناقابلِ پیش بینی اور ناقابلِ ادراک اسباب کی وجہ سے جیسا کہ نئی ٹیکنالوجیوں یا فطری حادثات کی وجہ سے ......اس بات کے، کہ معاشرہ ان مواقع کا کیا ردِعمل دے گا یا یہ کہ کب کوئی موقع پیدا ہوگا......تاریخ جبری نہیں ہے۔ ہم اپنے تاریخی یا ادارہ جاتی ماضی کے غلام نہیں ہیں۔

یہ کتاب اسی بات کی طرف ہی اشارہ نہیں کرتی کہ اُس طرح کامیابی کا تجزیہ جو مغربی یورپ کو ہوا، صرف وہیں پر واقع ہو سکتا تھا۔ جنوبی کوریا اور تائیوان کی بیسویں صدی کی کامیابیوں مذہبی طور پر ایسے کسی دعوے کے خلاف شہادت دیتی ہیں۔ اس کی بجائے یہ کتاب اس بات کا ایک زیادہ باریک نقطہ نظر دیتی ہے کہ طویل المدّت معاشی کامیابی کیوں واقع ہوتی ہے، جبکہ عمومی خدّ وخال کی تلاش بار بار معاشی کامیابی سے مربوط ہوتی ہے۔

MashalBooks.org

ترغیبات کے حوالے سے سوچنا

ماہرین معیشت ترغیبات کے حوالے سے سوچنے کو پسند کرتے ہیں۔ یہ کتاب بھی اس سے مختلف نہیں ہے۔ ہر تاریخی موڑ پر یہ سوال پوچھتی ہے: متعلقہ فریقوں نے اُس طرح سے عمل کیوں کیا جس طرح سے کیا؟ دیئے جانے والے جواب کا نچوڑ اس کتاب میں یوں نکل آتا ہے: ''اُنہیں ایسا عمل کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔'' ترغیبات معاشرے کے بہت سے اوصاف سے پیدا ہوتی ہیں: سیاست، مذہب، سماجی معیارات، قوانین اور ثقافت ان میں سے چند ہیں۔ تفتیش یہیں پر ختم نہیں ہوسکتی: محض اُن ترغیبات پر توجہ دینا جن کا سامنا افراد کو ہوتا ہے آخری قدم ہے۔ یہ بہت اہم ہے کہ ایک قدم پیچھے کو ہٹا جائے اور پوچھا جائے: یہ ترغیبات سب سے پہلے وہاں کیوں تھیں؟ وہ ترغیبات جن کا سامنا لوگ کرتے ہیں مختلف جگہوں اور مختلف اوقات میں مختلف کیوں ہوتی ہیں اور وہ وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل کیوں ہوتی ہیں؟ بعض اوقات وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تبدیل کیوں نہیں ہوتیں؟

ترغیبات کے حوالے سے سوچنے کا مطلب ہے طویل مدتی معاشی افتراق کے بارے میں سادگی پسندانہ خیالات کو رد کر دینا۔ مثال کے طور پر اس خیال کو لیجئے کہ مشرقِ وسطیٰ اور مغربی یورپ کے درمیان معاشی افتراق کی جڑ اسلام کی رجعت پسندانہ نوعیت'' ہے۔ یہ ایک عامی کا استدلال نہیں ہے۔ افتراق کی یورپ مرتکز توجیہات کی ایک طویل روایت اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ اسلام کی ''قدامت پسندانہ''، ''متصوفانہ'' کیفیت نے تجسس کی حوصلہ شکنی کی اور خطرات کا سامنا کرنے میں، جدّت طرازی اور میکانکیت میں رُکاوٹ پیدا کی۔(5) اس نقطۂ نظر کے مطابق اسلام جبلی

MashalBooks.org

طور پر تجارت اور مالیات سے عناد رکھتا ہے۔ بلاشبہ بہت سے مقامات پر اور بہت سے اوقات میں مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں نے ایسے قوانین کی وکالت کی جنہوں نے معاشی ترقی کو روکا، جیسا کہ سود لینے اور چھاپہ خانے، عورتوں پر جبر کے قوانین کی اور ایسے قوانین کی جو عوامی تعلیم کی حوصلہ شکنی کرتے تھے اور وراثت اور شراکت داری کے قدیم قوانین کی ...... لہٰذا کم از کم اسلام کی موجودگی اور معاشی ترقی کے مخالف قوانین میں ایک ''باہمی تعلق'' ضرور ہے۔

لیکن باہمی تعلق کا مطلب سبب ہونا نہیں ہے۔ ایک سادہ سی معاشی مثال، ''فطری دقیانوسیت'' پر انحصار کرتے ہوئے دلائل سے مسئلے کی وضاحت کرتی ہے۔ ذرا اس حقیقت پر غور کریں کہ عمر رسیدہ افراد ممکنہ طور پر کمپیوٹر کی ٹیکنالوجیوں کو بالغ افراد کی نسبت کم استعمال کرتے ہیں۔ بظاہر ایسا لگے گا کہ جیسے عمر رسیدہ افراد فطری طور پر زیادہ دقیانوسی ہوتے ہیں...... وہ ای میلز بھیجنے کی بجائے خطوط لکھنے کی روش پر قائم ہیں۔ تاہم یہ بہت ہی سادگی پسندانہ دلیل ہے۔ عمر رسیدہ افراد ترقی پسندانہ کمپیوٹروں کو اس وجہ سے کم استعمال نہیں کرتے کہ وہ بالغ افراد کی نسبت پُرانے طور طریقوں کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ اس وجہ سے کم استعمال کرتے ہیں کہ ایک نئی ٹیکنالوجی کو سیکھنے کے اخراجات اور فوائد مختلف ہوتے ہیں۔ درحقیقت ہوسکتا ہے کہ وقت کے حوالے سے ایک ستر سال کے بوڑھے کیلئے انٹرنیٹ کا ماہر ہونا زیادہ مہنگا نہ ہو۔ لیکن ایک بوڑھے شخص کیلئے زندگی کے افق کا مختصر ہونا نا صرف یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ انٹرنیٹ کی تعلیم کے فوائد کو مختصر تر وقت کیلئے استعمال کرسکیں گے، بلکہ اس کے وقت کے ساتھ منسلکہ اخراجات بھی فوائد کی نسبت بہت زیادہ ہوں گے۔ علاوہ ازیں کیونکہ ان کے دوستوں کا انٹرنیٹ پر آنے کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ لہٰذا بڑے نیٹ ورکوں کے ساتھ منسلکہ فوائد بہت کم ہوتے ہیں۔ لہٰذا عمر رسیدہ لوگ اکثر ایسے افعال کو اختیار کرتے ہیں جو زیادہ قدامت پسندانہ نتائج کی طرف لے جاتے ہوں، لیکن یہ چیز لازمی طور پر تبدیلی کی فطری مزاحمت کا نتیجہ نہیں ہوتی، اس کی بجائے ترغیبات کا ڈھانچہ ایسا ہے کہ عمر رسیدہ لوگوں کیلئے نئی ٹیکنالوجیوں کو سیکھنے کی ترغیب کم ہوتی ہیں۔

یہ کتاب معاشی تاریخ کے بارے میں ایسی ہی منطق کا اطلاق کرتی ہے۔ باب دوم ایک ایسا ڈھانچہ مہیا کرتا ہے جو ایسی منطق پر مبنی ہے'' جن کا سامنا متعلقہ کھلاڑیوں کو قوانین اور پالیسیوں پر سودے بازی کے سلسلے میں ہوتا ہے۔ یہ ایسے حالات پر روشنی ڈالتا ہے جو ان

کھلاڑیوں کو، ایسے قوانین اور پالیسیوں کا انتخاب کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ''دقیانوسی'' نتائج اُس وقت سامنے آتے ہیں۔ جب یہ حالات موجود نہ ہوں، یعنی تبدیل ہوتی ہوئی دُنیا کے باوجود قوانین اور پالیسیاں تبدیل نہ ہوں۔ لیکن یہ نتائج ہیں نا کہ ترجیحات۔ یہ کتاب، لوگوں کے کسی خاص گروہ کی ''قدامت پرستانہ فطرت'' کے کسی ہنگامی نظریے پر بھروسہ نہیں کرتی: اس کی بجائے یہ دکھاتی ہے کہ بعض لوگ قدامت پرستانہ طور پر عمل کیوں کرتے ہیں؟

مشرقِ وسطیٰ ...... مغربی یورپ اختلاف کے تناظر میں، اس انداز سے سوچنے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ قدامت پرستی ایک نتیجہ ہے جس کی تشریح کی جانی چاہیے ...... یہ بذاتِ خود جمود کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگرچہ بلاشبہ اس بات کی شہادت موجود ہے جو اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ پہلی ہزاری کے ختم ہونے کے لگ بھگ اسلامی سیاسی اور مذہبی فکر زیادہ قدامت پرستانہ ہوگئی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ایک غلط راستہ اختیار کرتے ہوئے قدامت پرستانہ نقطۂ نظر کو معاشی جمود کے ساتھ وابستہ کردیں، اس کی بجائے پوچھے جانے والے صحیح سوالات یہ ہیں کہ بعض ثقافتیں بعض دوسری ثقافتوں کی نسبت زیادہ قدامت پرستانہ کیوں ہیں، اور کیا مشرقِ وسطیٰ میں کچھ ایسی ترغیبات تھیں جو آخرکار قدامت پرستانہ نتائج پر منتج ہوئیں، اس کا گہرا جواب یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم ثقافتی اختلافات سے آگے دیکھیں اور ترغیبات کے بنیادی محرکات کا تجزیہ کریں، خواہ وہ معاشی، مذہبی، سماجی یا سیاسی کیوں نہ ہوں۔ ترغیبات کہاں سے آتی ہیں؟ اگر یہ ثقافت سے نہیں آتیں تو کہاں سے آتی ہیں؟

دلیل کا خلاصہ

باب دوم کتاب کے مرکزی ڈھانچے کو پیش کرتا ہے۔ یہ کسی معیشت میں اُن اداکاروں پر توجہ مرکوز کرتا ہے جو مدوّن قوانین اور پالیسیوں کے سیٹ پر اثرانداز ہوتے ہیں: یعنی حکمران اور اُن کے کارندے۔ اس کے مرکزی خیالوں میں سے ایک یہ ہے کہ معاشرے میں ایسے لوگ اور تنظیمیں ہوتی ہیں، جو اپنے تشخص یا وسائل تک رسائی کی وجہ سے، حکمرانوں کی اقتدار میں رہنے پر مدد کرسکتی ہیں۔ میں ایسے لوگوں کو توسیعی کارندے کہتا ہوں۔ یہ ڈھانچہ دو قسم کے توسیعی کارندوں پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ جبری کارندے اور جواز بخشنے والے کارندے۔ جبری کارندے طاقت کے ذریعے اقتدار کو توسیع دیتے ہیں۔ لوگ اپنے حکمران کی اطاعت اس لئے کرتے ہیں کہ بصورتِ دیگر اُنہیں سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے ...... جبکہ جواز بخشنے والے توسیعی کارندے جواز کے ذریعے اقتدار کو توسیع دیتے ہیں لوگ اپنے حکمران کی اطاعت اس لئے کرتے ہیں کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ مرد (یا بہت شاذ عورت) حکومت کرنے کا جائز حق رکھتا ہے یا رکھتی ہے۔

توسیعی کارندے حکمران کو بے شمار فوائد پہنچا سکتے ہیں، لیکن وہ بھی ایک قیمت پر آتے ہیں۔ حکمران اُن کی حمایت کے بدلے میں اُنہیں سودا بازی کی بساط پر جگہ دیتے ہیں۔ اس سودا بازی سے پیدا ہونے والے قوانین اور پالیسیاں ہر اداکار اور اس کی ترجیحات کی سودا بازی کی قوت کی عکاس ہوتی ہیں۔

مذہبی جواز بخشی حکمرانوں کیلئے خاص طور پر پُرکشش ہوتی ہے، کیونکہ یہ بلا خرچ ہوتی ہے۔ لہٰذا جب مذہبی پیشواؤں کے پاس اُن کے اقتدار کو جواز بخشنے کی صلاحیت ہو، تو وہ ایسے مذہبی پیشواؤں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ایسی دُنیا میں، اگر قوانین کو، بدلتے ہوئے معاشی حالات

MashalBooks.org

کے تحت تبدیل کرنا مذہبی مقتدرہ کو نقصان پہنچاتا ہو، تو حکمران ایسا کرنے سے باز رہتے ہیں۔ نتیجۂ وہ لوگ جو، معاشرے کے قوانین اور پالیسیوں کی تجدید سے سب سے زیادہ فائدہ اُٹھاتے ہیں، پیداکار، تاجر اور تجارتی کسان تبدیلی کیلئے بہت کم ترغیب محسوس کرتے ہیں۔ نا صرف یہ کہ حکمرانوں کا مذہبی ہیئت حاکمہ کے خلاف کھڑے ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسی درخواست کرنا بھی ایک گناہ ہوتا ہے نتیجۂ، بیرونی دُنیا کی تبدیلی کے جواب میں، قوانین اور پالیسیاں تبدیل نہیں ہوتیں، اور نتیجہ معاشی جمود ہوتا ہے۔ یہ دلیل اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ دقیانوسیت اُن ترغیبات کا نتیجہ ہوتی ہے جن کا سامنا متعلقہ اداکاروں کو ہوتا ہے ناکہ یہ خراب معاشی نتائج کا حتمی سبب ہوتی ہے۔

حاصلِ بحث یہ ہے کہ مختلف معاشروں کے مابین اور وقت کے ساتھ ساتھ معاشروں کے اندر، قوانین اور پالیسیوں کے اختلافات، توسیعی کارندوں کے تشخصات میں اختلافات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ اختلافات بذاتِ خود ان اختلافات کا نتیجہ ہوتے ہیں جو حکمرانوں کی طرف سے کارندوں کو استعمال کرنے کے خرچ اور حاصل شدہ فوائد میں ہوتے ہیں۔ وقت کے کسی مقررہ نقطے پر کسی معاشرے کے ''ادارے'' ان اخراجات اور حاصلات کو حکمرانوں پر نافذ کرتے ہیں۔ ادارے معاشرے کے وہ پہلو ہوتے ہیں جو ایسے ''کھیل کے قواعد'' وضع کرنے میں مدد دیتے ہیں جن کی پابندی تمام کھلاڑی کرتے ہیں تمام معاشروں میں متعدد ادارے ہوتے ہیں ...... مذہبی سیاسی، سماجی اور معاشی ...... جو سب کے سب، حکمرانوں اور اُن کے توسیعی کارندوں کے درمیان کھیلے جانے والے ''کھیل'' کی صورت گری کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

باب سوم، ڈھانچے کو مغربی یورپ اور مشرق وسطیٰ کی معاشی تاریخوں کی طرف لاتا ہے۔ ان تاریخی اسباب کا کھوج لگاتے ہوئے کہ اقتدار کے تشہیری ادارے دونوں خطوں میں مختلف تھے۔ یہ استدلال کرتا ہے کہ اسلام اور عیسائیت کی پیدائش کے اردگرد کے حالات کے اُس طریقِ کار کیلئے اہم نتائج تھے جس میں اقتدار کی توسیع کی گئی۔

اسلام ساتویں صدی میں جزیرہ نمائے عرب میں پیدا ہوا، اور جوں جوں ابتدائی اسلامی سلطنتیں تیزی سے پھیلتی گئیں اس کی تشکیل ہوتی گئی۔ اسلامی اصول کے بہت سے پہلو اس ماحول کا جواب تھے۔ جس میں کسی حکمران کے اُس وقت تک حکومت کرنے کا اصول بھی شامل تھا

جب تک وہ اسلام پر عمل پیرا رہتا۔ دوسری طرف عیسائیت سلطنت روما میں پیدا ہوئی، اس طرح کہ اس کے پاس پہلے سے قائم شدہ، اچھی طرح کام کرتے ہوئے قانونی اور سیاسی ادارے تھے۔ اوائل عیسائیت نے کبھی قانونی یا سیاسی نظریے کا کوئی ڈھانچہ نہ بنایا، جو کہ ابتدائی اسلام کے مقابلے میں آتا محض اس وجہ سے کہ ابتدائی عیسائی مفکرین نے اس کی ضرورت ہی محسوس نہ کی، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اقتدار کا مذہبی جواز یورپی تاریخ میں اہم نہ تھا۔ اس کا مفہوم محض یہ ہے کہ اسلام حکومت کو وراثت کے لحاظ سے جائز قرار دینے پر عیسائیت کی نسبت زیادہ آمادہ تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مذہبی توسیع اقتدار کے فوائد مشرق وسطیٰ میں مغربی یورپ کی نسبت زیادہ تھے۔ لہٰذا یہ ڈھانچہ اس بات کی پیش بینی کرتا ہے کہ، باقی ہر چیز مساوی ہونے کے باوجود، سودابازی کی بساط پر مشرقِ وسطیٰ میں مذہبی مقتدرہ کی نشست اُس سے بڑی ہوگی جتنی مغربی یورپ میں ہوگی۔

یہ بات کہ سودابازی کی بساط پر کون بیٹھتا ہے، دو اسباب کی بنا پر اہم ہے (1) اسلام اور عیسائیت دونوں میں اصول موجود ہے جو معاشی معمولات کو متاثر کرتا ہے۔ (2) مذہبی اشرافیہ کے مفادات ہمیشہ قوانین اور پالیسیوں کی اُن اقسام سے لگا نہیں کھاتے جو معاشی کامیابی کو بڑھاوا دیتے ہیں...... باب چہارم اس ادراک کے ایک نتیجے پر روشنی ڈالتا ہے۔ ایک ایسے معاشی اصول کی تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہوتے جو اسلام اور عیسائیت میں مشترکہ ہے: قرضوں کے عوض منافع لینا (سود)۔ یہ باب اس ڈھانچے کو اس معاملے پر روشنی ڈالنے کیلئے استعمال کرتا ہے کہ سود کا اصول دونوں مذاہب میں مختلف کیسے ہوگیا۔ یہ اُن مختلف طریقوں کو بھی نمایاں کرتا ہے جن میں ان دونوں خطوں کی سیاسی اور مذہبی مقتدرہ نے ایک دوسرے کو متاثر کیا، اور اس چیز نے کس طرح جوابی طور پر سود کی اجازت دینے کیلئے حکمرانوں کی مرضی کو متاثر کیا۔ یہ باب ایسا دعویٰ نہیں کرتا کہ سود کے قوانین میں اختلافات ہی وہ وجہ تھے جن سے مغربی یورپ کی معیشتیں مشرقِ وسطیٰ سے آگے نکل گئیں۔ لیکن یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ یہ پابندیاں یکسر خالی از علت نہیں تھیں۔ دونوں خطوں میں جس قسم کی مالی دستاویزات استعمال کی گئیں وہ اصولی اختلافات کی عکاسی کرتی تھیں۔ اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ، اُنیسویں صدی سے پیشتر مشرقِ وسطیٰ میں بینکنگ کے اداروں کا فقدان تھا۔

MashalBooks.org

باب پنجم چھاپہ خانے کی ترویج کا تجزیہ کرتا ہے یہ ڈھانچہ ایک تاریخی معمے پر روشنی ڈالتا ہے ......جبکہ 1450 میں جوہانس گٹنبرگ (Johnnes Gutenborg) کی طرف سے چھاپہ خانہ کی ایجاد کے بعد مغربی یورپ میں یہ بہت تیزی سے پھیلا، عثمانیوں نے اس کے استعمال پر تقریباً 250 سال تک پابندی لگادی۔ چھاپہ خانہ کے بارے میں مختلف ردِّعملوں کی دلیل بڑی سیدھی سادی ہے۔ چھاپہ خانہ مذہبی ہیئت حاکمہ کی علم کی ترسیل پر اجارہ داری کیلئے ایک خطرہ تھا۔ جو کہ معاشرے میں اُن کے اثر ورسوخ کا بنیادی ذریعہ تھا۔ لہٰذا یہ اُن کیلئے ایک محرک تھا جو انہیں مجبور کرتا تھا کہ وہ اس پر پابندی لگانے کیلئے سلطان کی حوصلہ افزائی کریں۔ سُلطان نے اُنہیں ممنون کیا کیونکہ مذہبی ہیئت حاکمہ موروثی اقتدار کو جائز قرار دینے والے اہم کارندے تھے، چھاپہ خانہ کی اجازت دینا اُن کی تباہی کا موجب بن جاتا۔ جبکہ عیسائی مذہبی پیشوا اس پوزیشن میں نہ تھے کہ وہ حکمرانوں سے چھاپا خانہ کو بند کرنے کیلئے کہتے، لہٰذا نتیجتاً یہ بہت تیزی سے پورے یورپ میں پھیل گیا۔

سود اور چھاپے خانے پر پابندیوں کے تجزیے اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلام میں فطری طور پر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس طرح کے ماحول کو پروان چڑھاتی ہو جو تجارت مخالف قوانین کی حمایت کرتا ہو۔ درحقیقت اوائلِ اسلام کے مذہبی اور سیاسی اصول خاصے لچکدار تھے اور بلکہ غالباً افزائش کو پروان چڑھانے والے تھے۔ معاشی اور سماجی حالات کے تقاضوں کے مطابق مذہبی قانون کی تعبیر نو بار بار ہوتی رہتی تھی اور نتیجتاً مشرقِ وسطیٰ اسلام کے قیام کے بعد صدیوں تک ایک معاشی، ٹیکنالوجیاتی، اور ثقافتی راہنما تھا۔ بہت سے اسلامی قوانین جنہوں نے آخر میں معاشی ترقی کو روک دیا، ابتدائی اسلامی معیشت کی ضروریات سے مناسبت رکھتے تھے، لیکن، جوں جوں معاشی حالات نے ترقی کی، تو سیاسی اور مذہبی حکام کے درمیان اقتدار کو جواز بخشنے کے تعلق کا مزید معاشی ترقی پر بڑھتا ہوا اثر، روکنے کا عمل ثابت ہوا۔ سود پر اور الفاظ اور تصاویر کی مثل تیار کرنے پر پابندی لگاتے جیسے مذہبی اصول، جو قبل جدید معیشت کیلئے مسئلہ نہیں تھے۔ اب ایک ایسی رکاوٹ کے طور پر سامنے آگئے جس پر قابو پانا مشکل ہوگیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ چھاپہ خانہ پچھلی ہزاری کی اہم ترین معلوماتی ٹیکنالوجی تھی، اور جہاں جہاں یہ پھیلا، وہاں مغربی معیشتیں بہت تیزی سے بڑھی پھولیں۔ لیکن چھاپہ خانہ کے

پھیلاؤ کے بالواسطہ نتائج اس سے بھی زیادہ اہم تھے۔ باب ششم ان میں سے ایک نتیجے کو نمایاں کرتا ہے: چھاپہ خانہ نے پروٹسنٹ اصلاح کلیسا کے پھیلاؤ میں مدد دی۔ چھاپہ خانہ نے، وسیع پیمانے پر تیز رفتار اختلاف رائے کی گنجائش پیدا کی، اور اس طرح تحریکِ اصلاح کلیسا کی کامیابی کی راہ ہموار کی، جبکہ اس سے پہلے والی کلیسا مخالف تحریکیں ناکام ہوگئی تھیں۔ یہ باب اُن تجربی تجزیوں کی رپورٹ پیش کرتا ہے جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ تحریکِ اصلاحِ کلیسا شہروں میں غلبہ پانے کا بہت زیادہ امکان چھپی ہوئی کتب تک رسائی کے ذریعے پیدا ہوا۔ یہ کسی معاشرے کے طویل المدتی خطِ حرکت میں ایک ''دوراہے'' کا بہت اہم معاملہ ہے۔ اس طرح کی کلیسا مخالف تحریک کا، جو معلومات کے تیز رفتار بہاؤ پر انحصار رکھتی تھی، سلطنتِ عثمانیہ میں وقوع پذیر ہونے کا امکان بہت کم تھا۔ جہاں مطبوعہ کتب تک رسائی بہت کم تھی سلطنت عثمانیہ میں معلومات ٹیکنالوجی کے فقدان نے جو خیالات کی بہت تیز ترسیل کی اہلیت رکھتی تھی، قائم شدہ مفادات کو اقتدار پر اپنی گرفت رکھنے کا موقع فراہم کیا، اس طرح کہ اس نے صدیوں تک جامد صورتِ حال کے قائم رہنے کی راہ ہموار کردی۔ نتیجتاً، مذہبی مقتدرہ مشرقِ وسطیٰ میں صدیوں تک ایک طاقتور سیاسی قوت رہی، جبکہ مغربی یورپ میں اُن کا اثر رسوخ کمزور پڑ گیا۔

کتاب کا باقی ماندہ حصہ یہ استدلال کرتا ہے کہ تحریک اصلاح کلیسا کیوں، مغربی یورپ کے معاشی خطِ حرکت کیلئے اتنا اہم واقعہ تھا، اور کیتھولک یورپ اور مسلم مشرق وسطیٰ کے خط حرکت کیلئے مذہبی مقتدرہ کی ایسی ہی تباہی کا فقدان اہم تھا۔ بنیادی ادراک یہ ہے کہ تحریک اصلاح کلیسا نے بنیادی طور پر اُس طریقے کو بدل دیا جس میں اقتدار کی تشہیر کی جاتی تھی۔ مذہب کی پہلے سے کمزور جواز بخشی کی صلاحیت پروٹسٹٹ ریاستوں میں اصلاحِ کلیسا کے بعد مزید کمزور ہوگئی، کیونکہ اس نے پروٹسٹنٹ حکمرانوں کو اپنی حکومت کے توسیعی کارندوں کو تبدیل کرنے پر مجبور کردیا۔ سب سے عام ردِّعمل، اس معاشی اشرافیہ سے توسیع طلب کرنا تھا، جو پارلیمنٹ میں خدمات انجام دیتی تھی۔ معاشی اشرافیہ میری مُراد صرف وہ لوگ ہیں جو بنیادی طور پر تجارت میں مشغول ہیں۔ تاجر، ہنرمند افراد، صراف، تجارتی کسان، یا کوئی بھی اور شخص جو مارکیٹ کیلئے پیداکاری، یا مارکیٹ کے سودوں میں سہولت کاری میں مشغول ہوں۔ توسیع کا تبدیل کرکے معاشی اشرافیہ کے ہاتھ میں دینا ایک اہم پیش رفت تھی، کیونکہ اُن کی ترجیحات کا رُجحان اُن پالیسیوں کی طرف تھا، جو معاشی

MashalBooks.org

خوشحالی کی نوید دیتی ہیں، جیسا کہ محفوظ ملکیتی حقوق اور عوام کی بہبود کا خیال رکھنا۔ نتیجتاً پروٹسٹنٹ حکمران اکثر ایسے قوانین اور پالیسیاں بناتے تھے، جو طویل المدتی معاشی خوشحالی کو بڑھاوا دیتی تھیں، کیتھولک یا مسلمان حکمرانوں کی نسبت بہت زیادہ۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاشی اشرافیہ زیادہ ''عوامی جذبہ رکھنے والی'' تھیں، بہ نسبت دوسرے توسیعی کارندوں کے اور لہٰذا وہ نیکی کے محرکات کے تحت عوامی مفاد میں پالیسیوں کی خواہش رکھتی تھی۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس، یہ اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ معاشی اشرافیہ اپنے ہی مفادات کے حصول کی کوشش کرتی تھی، جو اتفاق سے اُن پالیسیوں کے ساتھ لگا کھاتے تھے، جو وسیع تر معیشت کو بھی فائدہ پہنچاتے تھے۔ اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ وہ سب کچھ جو معاشی اشرافیہ کرتی تھی، معیشت کیلئے اچھا ہوتا تھا تاریخ معاشی اشرافیہ کی طرف سے کرایہ طلب کرنے کی مثالوں سے بھی بھری پڑی ہے۔ اس کے کہنے کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ایسا سیاسی نظام جو کلی طور پر معاشی اشرافیہ کی طرف سے چلایا جائے معیشت کیلئے اچھا ہوگا۔ تاہم اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا سیاسی نظام جس میں معاشی اشرافیہ کو سودابازی کی بساط پر اہم نشست حاصل ہو، ایک ایسے نظام کی نسبت جہاں اُن کی کوئی آواز نہ ہو، بہتر معاشی نتائج کا حامل ہوگا۔

ابواب 7 اور 8 ان بیانات کی حمایت کیلئے متعلقہ تواریخ کو کھنگالتے ہیں۔ باب 7 دوسرکردہ پروٹسٹنٹ معیشتوں انگلستان اور جمہوریہ ڈچ میں ہونے والی بعد اصلاح کلیسا معاشی اور سیاسی تبدیلیوں کا جائزہ لیتا ہے۔ باب 8 ایک کیتھولک معیشت کا، جو پیچھے رہ گئی یعنی سپین کا اور ایک اُس وقت کی مشرقِ وسطیٰ کی معیشت، سلطنتِ عثمانیہ کا جائزہ لیتا ہے۔ یہ محض معمولی تقابل نہیں ہیں۔ جنہیں یونہی اُٹھا کر استدلال کی تائید کیلئے پیش کر دیا گیا ہو۔ یہ غالباً فرانس کے علاوہ، جو کیتھولسزم، اسلام اور پروٹسٹنٹ ازم کی کسی شکل سے وابستگی رکھتا ہے۔ وقت کی اہم ترین معیشتیں تھیں۔

لہٰذا یہ ڈھانچہ اُس ''چھوٹے اختلاف'' کی بھی توجیہہ کرتا ہے جو شمال مغربی یورپ اور باقی ماندہ یورپ کے درمیان واقع ہوا، اور اس ''بڑے اختلاف'' کی بھی جو مغربی یورپ اور مشرقِ وسطیٰ کے درمیان واقع ہوا، یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ ''مغربی یورپ کے بارے میں کچھ'' ایسا تھا، جو آخرکار معاشی خوشحالی پر منتج ہوا، جدید معیشت کا اُبھار کوئی بین مغربی یورپ مظہر نہ تھا...... یہ

بالکل ایک انگلیز یائی اور ڈچ مظہر تھا۔ اگرچہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ ڈھانچہ ہر چیز کی تشریح کرتا ہے۔ یہ استدلال صنعت سازی سے پہلے رُک جاتا ہے۔ جو اپنے طور پر وضاحت طلب ہے۔ لیکن میں یہ دعویٰ ضرور کرتا ہوں کہ وہ مقامات جہاں جدید معیشت بالآخر جنم لیا، اُن کے ہاں سولھویں صدی کے اختتام تک بہت مختلف سیاسی معیشت کا توازن تھا...... ایک ایسا توازن جو طویل المدتی معاشی ترقی کیلئے زیادہ سازگار تھا۔

یہ ڈھانچہ ویبر کے اُن سادگی پسندانہ نظریات کو جو ''پروٹسٹنٹ اخلاقیات'' کو معاشی خوشحالی کے ساتھ جوڑتے ہیں سر کے بل اُلٹ دیتا ہے (10) میکس ویبر (Max Weber) (1905[2002]) نے یہ استدلال کیا کہ کیلوینی قضاوقدر کے فلسفہ نے اپنے ماننے والوں کو یہ ثابت کرنے پر آمادہ کیا کہ وہ محنت کرنے اور دُنیاوی کامیابی حاصل کرنے سے ''منتخب لوگوں'' میں سے ایک تھے۔ اس طرح ''سرمایہ دارانہ جذبہ'' پروٹسٹنٹ ممالک میں نفوذ کر گیا اور اُنہیں ایک مختلف معاشی راستے پر ڈال دیا، وہ مشاہدہ جس نے اس مفروضے پر اُبھارا، صحیح ہے: بہت سی پروٹسٹنٹ اقوام کو جدید معاشی ترقی میں فوقیت حاصل تھی۔ لیکن جہاں یہ کتاب اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ پروٹسٹنٹ ازم اور معاشی ترقی میں ایک باہمی تعلق ہے، وہیں پر یہ، ثقافت یا مذہبی اصولوں پر مبنی سلسلۂ علل سے بہت مختلف علت کے بارے میں استدلال کرتی ہے۔ یہ اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ اصلاح کلیسا کی طرف سے پیدا کردہ سیاسی معیشت میں تبدیلیاں خاص طور پر سودابازی کی بساط پر مذہبی اشرافیہ کی بجائے معاشی اشرافیہ کی تقرری، وہ بنیادی عامل تھا جس نے پروٹسٹنٹ ازم کو معاشی کامیابی کے ساتھ جوڑا۔ یقیناً اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ جدید معیشت کو لازماً شمال مغربی پروٹسٹنٹ یورپ میں ہی اُبھرنا تھا۔ اس کا مطلب محض یہ ہے کہ اگر 1600 میں زندہ رہنے والے کسی شخص کو اس چیز میں انتخاب کرنا ہوتا کہ دُنیا کے کس حصے میں 150 سال بعد صنعت سازی اور اُس سے متعلقہ معاشی ترقی کا دھماکہ واقع ہوسکتا ہے۔ تو پروٹسٹنٹ شمال مغربی یورپ ایک اچھا انتخاب ہوتا۔ (11)

MashalBooks.org